دلی والے اور برسات

صادق الخیری

اب ہم نشیں میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئی ہیں

جن وقتوں کا یہ ذکر ہے، ان کو بیتے پچاس سال سے اوپر ہوئے۔ ہر چند کہ غدر کے بعد دلی والوں کی قسمت میں زوال آ گیا تھا اور مصائب و آلام نے ان کو گھر سے بے گھر کر دیا تھا مگر اُکھڑی جمی ہو جانے پر ان کی فطری زندہ دلی پھر سے اُبھر آئی۔ بے شک وقت اور حالات نے اُن سے سب کچھ چھین لیا تھا لیکن ان کے طور طریق، اُن کا رکھ رکھاؤ، اُن کی قدیم روایات، اُن کا ہنسنا بولنا اور اُن کی وضعداریاں اُن کے سینوں سے لگی رہیں۔ مگر یہ سب باتیں بھی اُنہی لوگوں کے دم قدم سے تھیں۔ جب نئی تعلیم اور تہذیب نے نئی نئی صورتوں کے جلو میں اپنی جوت دکھائی تو شاہجہاں آباد کے وہ صدا بہار پھول کمہلانے لگے۔ اُن وقتوں میں دلی والے اپنی زندگی ہنس بول کر گزارتے تھے۔ سال کا ہر موسم اور مہینے کا ہر روز اُن کے لیے خوشی کا ایک نیا پیغام لاتا تھا۔ آندھی جائے، مینہ جائے، اُن کو خوش رہنے اور خوش رکھنے سے کام۔ یاد ش بخیر، مینہ کا ذکر آیا تو برسات کے وہ سہانے سمے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ آج کی دہلی دیکھیے تو آسمان کا فرق! اب کی باتیں تو خیر جانے دیجیے کہ اس زمانے میں خوش وقتی کا جو 'ہدڑا' بنا ہے وہ ہر بھلے مانس کو معلوم ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ ان مبارک دنوں میں دلی والے برسات کس طرح مناتے ہیں:

جیٹھ بیساکھ کی قیامت خیز گرمیاں رخصت ہوئیں۔ اب برسات کی آمد آمد ہے۔

بہنوں کو سسرال آئے ہوئے مہینوں گزر گئے اور اُن کی آنکھیں میکے کے کاجل کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ نیم میں نبولیاں پکتی دیکھ کر اُن کو میکہ یاد آ رہا ہے اور وہ چپکے چپکے گنگناتی ہیں:

نیم کی نبولی پکی، ساون بھی اب آوے گا

جیوے میرے ماں کا جایا، ڈولی بھیج بلا وے گا

لیجیے یہ وقت بھی آ گیا۔ ساون کی اندھیری جھکی ہوئی ہے۔ لال کالی آندھیاں چل رہی ہیں۔ خاک اور ہوا کا وہ زور کہ الاماں الحفیظ! آخر مینہ برسنا شروع ہوا۔ خاک دب گئی ہے اور پچھلے مہینوں گرمی نے جو آفت ڈھائی تھی اُس سے خدا خدا کر کے چھٹکارا ملا۔ بارش کے دو چار ہی چھینٹوں نے ہر شے میں نئی زندگی پیدا کر دی ہے۔ لوؤں کے تھپیڑوں سے جھلسے ہوئے درخت اور پودے، جو سوکھ کر کھڑنک ہو گئے تھے، اب پھر ہرے بھرے ہو گئے ہیں۔ اونچے اونچے پیڑوں کی پھننگیں اور ٹہنیاں خوشی سے جھوم رہی ہیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے مخملی فرش بچھا ہوا ہے۔ دلی والے، سیلانی پنچھی، گھڑی گھڑی آسمان کو دیکھتے ہیں اور دل میں کہہ رہے ہیں:

کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں برسے

ایسا برسے میرے اللہ کہ چھاجوں برسے

دل سے نکلنے کی دیر تھی کہ دعا مقبول ہوئی۔ برکھا رُت نکھار کے دن، بارش کے مہینے۔ ابھی پھوئیاں پھوئیاں ہو رہی تھی کہ سہاگنی گھٹاؤں کی ریل پیل ہوئی اور دھواں دھار مینہ برسنے لگا۔ ندی نالے بہ نکلے اور کہیں کہیں تو ایسے شفاف گویا نور کی نہریں ہیں۔ ایلو پہلو سبزہ مچل رہا ہے۔ سرسبز بیلوں اور دھانی پتوں میں سرخ اور زرد پھول رچے ہوئے ہیں۔ ہریاول منہ سے بول اُٹھی ہے۔ گھر گھر کھم گڑے ہیں، جھولے پڑے ہیں اور محلے ملہاروں سے گونج اُٹھے ہیں۔ ساون کا مہینہ یونہی چین چان سے گزر کر بھادوں شروع ہو رہا ہے۔ اب گھر کی چار دیواری میں قید نہیں ہوا جاتا۔ بارانِ رحمت جوش میں آ گیا ہے۔ کالی کالی بدلیاں اُمنڈ گھمنڈ کر چھا رہی ہیں۔ ساون بھادوں ہمارے ہندوستانی لٹریچر میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ہندی میں

بہاری کا یہ دوہا مشہور ہے۔

ساون نِس اندھیار میں، بھید پرے نہیں جان
رین و دِن جانو پرے، دیکھ چکّی چکوان

یعنی ساون کے اندھیرے میں کچھ بھید نہیں کھلتا۔ رات اور دن کا اندازہ صرف چکوی اور چکوے کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ ایک اور ہندی گیت کا ترجمہ سُنیے:

''ساون آ گیا، بھادوں میں گھاس ہری ہری ہوگئی۔ بادل گرج رہے ہیں۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ پر میرا کلیجہ کانپ رہا ہے۔ اے سکھی! میں کیا کروں، میری آنکھوں سے تو ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہے۔ کیونکہ میرے پریتم پردیس چلے گئے۔

اے میرے من موہن! اگر تم گھر پر ہوتے تو میں رنگین لہنگا پہنتی اور ایسی چندری اوڑھتی کہ تم تعریف کیے بنا نہیں رہتے۔ چاروں طرف چراغ جلا دیتی اور جھم سے چڑھ کر تمہارے پاس کوٹھے پر آ جاتی۔''

اور اُردو میں تو آپ نے میر حسن کی غیر فانی مثنوی سحر البیان میں یہ شعر پڑھا ہی ہوگا

رو رو کے دو ابرِ غم یوں ملے
کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے

غرض ان دنوں پانی کی فراوانی ہے اور دلوں کے کنول کھلے ہوئے ہیں۔ جھوم جھوم گھٹا آ رہی ہے۔ مینہ کا جھمکا لگا ہے۔ آج کل کی طرح نہیں کہ قدرت بھی بخیل، خلقت آسمان کو تک رہی ہے اور ساون بھادوں ہیں کہ بے حیا کے دیدے کی طرح صاف! نا بھائی نا۔ دریائے فیض جاری ہے۔ بارش چھما چھم ہو رہی ہے۔ لوگ باگ سیر کو جانے کی لپاک جھپاک تیاریاں کر رہے ہیں۔ مرد اور عورتیں بچے اور بوڑھے، دلوں میں ایک نئی ترنگ محسوس کر رہے ہیں۔ رنج و غم کوسوں دور، دُنیا کے جھنجھٹ قطعی محو، کہیں قطب صاحب جانے کے ارادے ہیں، کہیں یہیں باغات کے۔ شاموں شام گھر کے مرد انتظام کرتے پھر رہے ہیں۔ عورتوں میں الگ ہڑ بونگ مچی ہے۔ بچھونے

دلی والے اور برسات

صادق الخیری

اب ہم نشیں میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئی ہیں

جن وقتوں کا یہ ذکر ہے، ان کو بیتے پچاس سال سے اوپر ہوئے۔ ہر چند کہ غدر کے بعد دلی والوں کی قسمت میں زوال آ گیا تھا اور مصائب و آلام نے ان کو گھر سے بے گھر کر دیا تھا مگر اُکھڑی جمی ہو جانے پر ان کی فطری زندہ دلی پھر سے اُبھر آئی۔ بے شک وقت اور حالات نے اُن سے سب کچھ چھین لیا تھا لیکن ان کے طور طریق، اُن کا رکھ رکھاؤ، اُن کی قدیم روایات، اُن کا ہنسنا بولنا اور اُن کی وضعداریاں اُن کے سینوں سے لگی رہیں۔ مگر یہ سب باتیں بھی اُنہی لوگوں کے دم قدم سے تھیں۔ جب نئی تعلیم اور تہذیب نے نئی نئی صورتوں کے جلو میں اپنی جوت دکھائی تو شاہجہاں آباد کے وہ صدا بہار پھول کمہلانے لگے۔ اُن وقتوں میں دلی والے اپنی زندگی ہنس بول کر گزارتے تھے۔ سال کا ہر موسم اور مہینے کا ہر روز اُن کے لیے خوشی کا ایک نیا پیغام لاتا تھا۔ آندھی جائے، مینہ جائے، اُن کو خوش رہنے اور خوش رکھنے سے کام۔ یادش بخیر، مینہ کا ذکر آیا تو برسات کے وہ سہانے سمے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ آج کی دہلی دیکھیے تو آسمان کا فرق! اب کی باتیں تو خیر جانے دیجیے کہ اس زمانے میں خوش وقتی کا جو 'ہدڑا' بنا ہے وہ ہر بھلے مانس کو معلوم ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ ان مبارک دنوں میں دلی والے برسات کس طرح مناتے ہیں:

جیٹھ بیساکھ کی قیامت خیز گرمیاں رخصت ہوئیں۔ اب برسات کی آمد آمد ہے۔

بہنوں کو سسرال آئے ہوئے مہینوں گزر گئے اور اُن کی آنکھیں میکے کے کاجل کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ نیم میں نبولیاں پکتی دیکھ کر اُن کو میکہ یاد آرہا ہے اور وہ چپکے چپکے گنگناتی ہیں:

نیم کی نبولی پکی، ساون بھی اب آوے گا

جیوے میرے ماں کا جایا، ڈولی بھیج بلا وے گا

لیجیے یہ وقت بھی آگیا۔ ساون کی اندھیری جھکی ہوئی ہے۔ لال کالی آندھیاں چل رہی ہیں۔ خاک اور ہوا کا وہ زور کہ الاماں الحفیظ! آخر مینہ برسنا شروع ہوا۔ خاک دب گئی ہے اور پچھلے مہینوں گرمی نے جو آفت ڈھائی تھی اُس سے خدا خدا کر کے چھٹکارا ملا۔ بارش کے دو چار ہی چھینٹوں نے ہر شے میں نئی زندگی پیدا کر دی ہے۔ لوؤں کے تھپیڑوں سے جھلسے ہوئے درخت اور پودے، جو سوکھ کر کھڑنک ہو گئے تھے، اب پھر ہرے بھرے ہو گئے ہیں۔ اونچے اونچے پیڑوں کی پھننگیں اور ٹہنیاں خوشی سے جھوم رہی ہیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے مخملی فرش بچھا ہوا ہے۔ دلی والے، سیلانی پنچھی، گھڑی گھڑی آسمان کو دیکھتے ہیں اور دل میں کہہ رہے ہیں:

کبھی ساون کی جھڑی اور کبھی بھادوں برسے

ایسا برسے میرے اللہ کہ چھاجوں برسے

دل سے نکلنے کی دیر تھی کہ دعا مقبول ہوئی۔ برکھا رُت نکھار کے دن، بارش کے مہینے۔ ابھی پھوئیاں پھوئیاں ہو رہی تھی کہ سہاگنی گھٹاؤں کی ریل پیل ہوئی اور دھواں دھار مینہ برسنے لگا۔ ندی نالے بہ نکلے اور کہیں کہیں تو ایسے شفاف گویا نور کی نہریں ہیں۔ ایلو پہلو سبزہ مچل رہا ہے۔ سرسبز بیلوں اور دھانی پتوں میں سرخ اور زرد پھول رچے ہوئے ہیں۔ ہریاول منہ سے بول اُٹھی ہے۔ گھر گھر کھم گڑے ہیں، جھولے پڑے ہیں اور محلے ملہاروں سے گونج اُٹھے ہیں۔ ساون کا مہینہ یونہی چین چان سے گزر کر بھادوں شروع ہو رہا ہے۔ اب گھر کی چار دیواری میں قید نہیں ہوا جاتا۔ بارانِ رحمت جوش میں آگیا ہے۔ کالی کالی بدلیاں اُمنڈ گھمنڈ کر چھا رہی ہیں۔

ساون بھادوں ہمارے ہندوستانی لٹریچر میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ہندی میں

بہاری کا یہ دوہا مشہور ہے۔

ساون نِس اندھیار میں، بھید پرے نہیں جان
رین و دِس جانو پرے، دیکھ چکّی چکوان

یعنی ساون کے اندھیرے میں کچھ بھید نہیں کھلتا۔ رات اور دن کا اندازہ صرف چکوی اور چکوے کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ ایک اور ہندی گیت کا ترجمہ سُنیے:

''ساون آ گیا، بھادوں میں گھاس ہری ہری ہوگئی۔ بادل گرج رہے ہیں۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ پر میرا کلیجہ کانپ رہا ہے۔ اے سکھی! میں کیا کروں، میری آنکھوں سے تو ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہے۔ کیونکہ میرے پریتم پردیس چلے گئے۔

اے میرے من موہن! اگر تم گھر پر ہوتے تو میں رنگین لہنگا پہنتی اور ایسی چندری اوڑھتی کہ تم تعریف کیے بنا نہیں رہتے۔ چاروں طرف چراغ جلا دیتی اور جھم سے چڑھ کر تمہارے پاس کوٹھے پر آ جاتی۔''

اور اُردو میں تو آپ نے میر حسن کی غیر فانی مثنوی سحر البیان میں یہ شعر پڑھا ہی ہوگا۔

رو رو کے دو ابرِ غم یوں ملے
کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے

غرض ان دنوں پانی کی فراوانی ہے اور دلوں کے کنول کھلے ہوئے ہیں۔ جھوم جھوم گھٹا آ رہی ہے۔ مینہ کا جھمکا لگا ہے۔ آج کل کی طرح نہیں کہ قدرت بھی بخیل، خلقت آسمان کو تک رہی ہے اور ساون بھادوں ہیں کہ بے حیا کے دیدے کی طرح صاف! نا بھائی نا۔ دریائے فیض جاری ہے۔ بارش چھما چھم ہو رہی ہے۔ لوگ باگ سیر کو جانے کی لپاک جھپاک تیاریاں کر رہے ہیں۔ مرد اور عورتیں بچے اور بوڑھے، دلوں میں ایک نئی ترنگ محسوس کر رہے ہیں۔ رنج و غم کوسوں دور، دُنیا کے جھنجھٹ قطعی محو، کہیں قطب صاحب جانے کے ارادے ہیں، کہیں یہیں باغات کے۔ شاموں شام گھر کے مرد انتظام کرتے پھر رہے ہیں۔ عورتوں میں الگ ہڑ بونگ مچی ہے۔ بچھونے

ٹھیک کیے جارہے ہیں۔ بچوں کے کپڑے نکالے جارہے ہیں، چیز بست رکھی جارہی ہے۔ بچے ہیں، وہ تو کسی کے قابو ہی کے نہیں، ایک اودھم مچا رکھی ہے۔ غرض ایسی آپا دھاپی پڑی ہے، وہ چیخ چاخ ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ رات بھر بھلا کس کو نیند آسکتی ہے؟ خوشی کے مارے آنکھیں بے خواب ہیں۔ اول شب سٹر پٹر میں گزری۔ کل کا کھانا تیار کرلیا گیا ہے۔ بچھونے باندھ دیے گئے ہیں۔ دو گھڑی تو لیٹنا ہی ہے۔ بارش کی بھیگی ہوئی، بان کی کھری چارپائی پر لیٹ رہے۔ اِدھر سے چلی ٹھنڈی ہوا، اُدھر گیلا گیلا بان، وہ مزے کی نیند آئی کہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر۔ فجر ہوتے ہوتے مینہ تھما اور عورتیں اور بچے گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ مردوں کو، جو گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا جارہا ہے کہ گاڑیاں ابھی تک نہیں آئیں۔ مرد کسمساتے اُٹھے اور قاضی کے حوض گاڑیاں لینے چلے گئے۔

دروازوں پر شکرم میں، بھارکیں، رتھیں، منجھولیاں، مہلیاں اور اِکا دُکا پالکی اور پینس گاڑیاں کھڑی ہیں۔ پڑوس میں غریب غربا رہتے ہیں، اُن کی خوشامد درآمد ہورہی ہے کہ تم بھی ساتھ چلو۔ ہائے کتنے اچھے دن تھے! کیا مجال جو بڑی سے بڑی تقریب اور چھوٹی سے چھوٹی خوشی میں کوئی پڑوس کو بھول جائے۔ حق ہمسایہ، ما کا جایا، پشتینی شرافت کا یہی تقاضہ ہے۔ آخر کامیاب ہوئے۔ عورتوں نے پڑوسنوں اور مردوں نے پڑوسیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سرآنکھوں پر بٹھایا۔ سامان اثاثٹ بھرا جارہا ہے۔ سانگیوں اور ماچیوں میں جگہ نہیں رہی مگر کیا پروا ہے؟ سواریاں ایک دوسرے پر پل رہی ہے، بچوں کی کچر دھان الگ ہے، لیکن کوئی منہ نہیں سکیڑتا۔ سب لدے پھندے چلے جارہے ہیں۔

ابھی پوری طرح صبح نہیں ہوئی۔ مینہ نے ایک ذرا کی ذرا دم لیا ہے اور صرف کبھی کبھار سورج کی یونہی سی جھلک نظر آجاتی ہے، ورنہ آسمان پر گھٹا تلی کھڑی ہے۔ گاڑیاں آگے پیچھے لین ڈوری بنائے چلی جارہی ہیں۔ راستے میں بیسیوں عمارتیں ہیں جن پر برجیاں اور مینارے اُودی اُودی بدلیوں میں اپنا روپ سروپ دکھا رہے ہیں۔ بچوں کچوں کی چیخ و پکار، لڑکیوں بالیوں کی

ٹھیک کیے جا رہے ہیں۔ بچوں کے کپڑے نکالے جا رہے ہیں، چیز بست رکھی جا رہی ہے۔ بچے ہیں، وہ تو کسی کے قابو ہی کے نہیں، ایک اودھم مچا رکھی ہے۔ غرض ایسی آپا دھاپی پڑی ہے، وہ چیخ چاخ ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ رات بھر بھلا کس کو نیند آسکتی ہے؟ خوشی کے مارے آنکھیں بے خواب ہیں۔ اول شب سٹر پٹر میں گزری۔ کل کا کھانا تیار کر لیا گیا ہے۔ بچھونے باندھ دیے گئے ہیں۔ دو گھڑی تو لیٹنا ہی ہے۔ بارش کی بھیگی ہوئی، بان کی کھری چارپائی پر لیٹ رہے۔ اِدھر سے چلی ٹھنڈی ہوا، اُدھر گیلا گیلا بان، وہ مزے کی نیند آئی کہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر۔ فجر ہوتے ہوتے مینہ تھما اور عورتیں اور بچے گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ مردوں کو، جو گھوڑے بیچ کر سوتے ہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا جا رہا ہے کہ گاڑیاں ابھی تک نہیں آئیں۔ مرد کسمساتے اُٹھے اور قاضی کے حوض گاڑیاں لینے چلے گئے۔

دروازوں پر شکرم، بھار کیں، رتھیں، منجھولیاں، مہلیاں اور اِکا دُکا پالکی اور پینس گاڑیاں کھڑی ہیں۔ پڑوس میں غریب غربا رہتے ہیں، اُن کی خوشامد درآمد ہو رہی ہے کہ تم بھی ساتھ چلو۔ ہائے کتنے اچھے دن تھے! کیا مجال جو بڑی سے بڑی تقریب اور چھوٹی سے چھوٹی خوشی میں کوئی پڑوس کو بھول جائے۔ حق ہمسایہ، ما کا جایا، پشتینی شرافت کا یہی تقاضہ ہے۔ آخر کامیاب ہوئے۔ عورتوں نے پڑوسنوں اور مردوں نے پڑوسیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سرآنکھوں پر بٹھایا۔ سامان اثاثٹ بھرا جا رہا ہے۔ سانگیوں اور ماچیوں میں جگہ نہیں رہی مگر کیا پروا ہے؟ سواریاں ایک دوسرے پر پل رہی ہے، بچوں کی کچر دھان الگ ہے، لیکن کوئی منہ نہیں سکیڑتا۔ سب لدے پھندے چلے جا رہے ہیں۔

ابھی پوری طرح صبح نہیں ہوئی۔ مینہ نے ایک ذرا کی ذرا دم لیا ہے اور صرف کبھی کبھار سورج کی یونہی سی جھلک نظر آجاتی ہے، ورنہ آسمان پر گھٹا تلی کھڑی ہے۔ گاڑیاں آگے پیچھے لین ڈوری بنائے چلی جا رہی ہیں۔ راستے میں بیسیوں عمارتیں ہیں جن پر برجیاں اور مینارے اُودی اُودی بدلیوں میں اپنا روپ سروپ دکھا رہے ہیں۔ بچوں کچوں کی چیخ و پکار، لڑکیوں بالیوں کی

بولیوں ٹھولیوں، بہو بیٹیوں کے قہقہوں، گاڑی بانوں ٹخ ٹخ اور پہیوں کی چرچر نے فضا میں ایک دلنواز موسیقی پیدا کردی ہے۔ ہلکی ہلکی پھوار نے اور لطف دے دیا ہے۔ گاڑیاں اسی طرح ٹلک ٹلک چلی جارہی ہیں۔ دن ڈھلے مندر سے (صفدر جنگ کا مقبرہ) پہنچے۔ بھوک نے بلبلا دیا ہے۔ آنتیں قل ہواللہ پڑھ رہی ہیں۔ اب کسی سے نہیں رہا جاتا۔ اس لیے تھوڑی دیر یہاں ٹھیریں گے۔ اندر پہنچے تو دیکھا کہ ایک میلا سا لگا ہے۔ بڑے بڑے بانکے اور سجیلے تاک جھانک میں مصروف ہیں۔ عورتوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں محوِ گلگشت ہیں۔ کچھ ٹکریاں یہاں اور کچھ وہاں کھانے پینے میں لگی ہیں۔ ان کو بھی یہیں کہیں جگہ مل جائے گی۔ دسترخوان بچھا دیا گیا۔ اس وقت کھانے میں ہری مرچیں اور قیمہ، روغنی اور بیسنی روٹیاں، اشٹو، آم کا اچار، لسن اور کیری کی چٹنی ہے۔ بڑی بوڑھیاں نکال رہی ہیں۔ کنواری بیٹیاں ایک ایک کے آگے رکھ رہی ہیں۔ جب سب کھا چکیں گے تو بچا کھچا ان کے حصے میں آئے گا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ان بچاریوں کو اپنے گھروں میں اچھی طرح کھا پی لینے دو، پھر تو یہ ساون کی چڑیاں ہیں۔ کچھ دنوں میں سسرال کا ڈولا دروازے آ لگے گا۔ کون جانے ان کی قسمت میں وہاں کیا لکھا ہے؟ بچوں کا کیا ذکر، بڑوں کو دیکھو کیسے خوش ہو ہو کر آموں کے چھلکے اور گٹھلیاں پانی میں پھینک رہے ہیں۔ جن بچاریوں کا کچا ساتھ ہے اُن کا تو ناک میں دم ہو گیا۔ بچے ہیں کہ منہ سانے چلے جارہے ہیں۔ ماؤں کو اُنہی سے فرصت نہیں، خود کیا خاک کھائیں؟ بادل گرجنے اور بجلیاں کوندنے لگیں۔ سب جلدی جلدی کھا پی گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ پُروا ہوا چلنے لگی ہے۔ کہیں برس گیا تو بہت برا ہوگا۔ ابھی تو آدھا راستہ باقی ہے۔ بیل تو وہی ہولے ہولے ڈگمگ ڈگمگ چلیں گے۔ راستے کے مناظر کس قدر خوشنما ہیں۔ کہیں دور چرواہے اپنی بانسریاں بجا رہے ہیں اور اُن کے بھیگے ہوئے نغمے کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ مہوے، پیپل، املی اور نیم کی گھنی چھاؤں میں موروں نے ناچنا شروع کر دیا ہے۔ اُن کا طاؤسی حسن آنکھوں میں کھبا جاتا ہے۔

وہ تو خدا نے بڑی خیر کی، جو بدلیاں ہوا میں تیرتی رہیں اور گاڑیاں، دونوں وقت ملتے

صبح سلامت قطب صاحب پہنچ گئیں۔ قطب صاحب سے تھوڑے فاصلے پر مہرولی کا بازار ہے جس کے دونوں طرف دومنزلے ہیں۔ نیچے دُکانیں اوپر کوٹھے۔ برسات میں یہ کوٹھے کرائے پر لے لیے جاتے ہیں۔ بچوں کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک زور کا کڑاکا ہوا اور آنکھوں کو چکا چوند کردینے والی بجلی دیواروں پر سے پھسلتی ہوئی یکلخت غائب ہوگئی۔ پھر تو بادل پھٹ پڑے، چھاجوں ہی پانی پڑگیا۔ گویا اب برس کر پھر کبھی نہ برسے گا۔ کچے گھروندوں کا یہ حال کہ اڑا ڑادھم۔ صبح ہوتے دعائیں مانگی گئیں... ''الٰہی ابھی جھڑی نہ لگے ورنہ ہم بچاریوں کی سیر مٹی ہوجائے گی''۔ وہ دھواں دھار طوفان بوندا باندی ہوگیا۔ دکانیں کھل گئیں۔ لوگ باگ ایلے گیلے پھرنے لگے۔ بھڑ بھونجے کے ہاں بھیڑ لگی ہے۔ کوئی گرم گرم چنے خرید رہا ہے کوئی بختے۔ اس وقت ان میں جو لذت ہے، وہ بریانی میں نہیں۔ بہت سے مرد تنوروں کے گرد بیٹھے روے میدے کے پراٹھے اور بیسنی روٹیاں پکوا رہے ہیں۔ قریب ہی قیمے کی گولیاں، لونگ چڑی، شامی اور سیخ کے کباب بک رہے ہیں۔ ان پر پیاز کے لچھے، ادرک کی پھانکیں، کیری کی قاشیں اور کتری ہوئی ہری مرچیں چھڑکی ہوئی ہیں۔ آگے بڑھیے، دسہری، فجری، سرولی، دیسی مالدا، سفیدہ بادشاہ، پسندہ، طوطا پری، سرخا، زردہ، سویا غرض قسم قسم کے قلمی و تخمی آم اور کالی کالی، موٹی موٹی جامنیں بک رہی ہیں۔ ایک طرف دودھیا بھٹے بھن رہے ہیں۔ بیچنے والوں کی صدائیں ایک سے ایک تحفہ، ذرا سُنیے:

''کالے بھونرالے، نون کے بتاشے ہیں، نمکین لو......'' یعنی جامنیں

''پال میں ڈالے ہیں جی کرانے کے لڈو

پیڑ کے پکے امرود میں سیب کا ہی مزہ......'' ...... یعنی آم

''بھٹے بھی لینا ہری ڈال والے

لینا جی یہ ریتی کے کیلے ہی کا مزہ......'' ...... یعنی بھٹے

ان چیزوں کو لے لوا گھر آئے۔ اتنے عورتوں نے بری روٹیاں، اچار، چٹنی اور سالن

تیار کرلیا۔ اب کھانے پینے، جھولنی اور پکوان کا سامان ساتھ لے سب سیر کو نکلے۔ پہلا نمبر قطب صاحب کی لاٹ کا ہے۔ یہ اتنی بلند ہے کہ چوٹی دیکھو تو ٹوپی گر جائے۔ اس کے چاروں طرف وسیع قطعات اور فصیلیں اور دیواریں ہیں۔ ہری ہری گھاس لہریں لے رہی ہے۔ اونچے اونچے درخت خوشی سے جھول رہے ہیں۔ املتاس کے کھلے ہوئے بسنتی پھول، بہتا ہوا آبشار معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں مردوں کی کثرت ہے اس لیے عورتوں نے جھرنے کا رُخ کیا۔ کچھ دیر یہاں پانی سے کھیلی کھالیں اور پھر جھرنے کے پیچھے امریوں میں چلی گئیں۔ پھوار پڑنے لگی ہے۔ جابجا نت نیا سہاؤ ہے۔ دھلی دھلائی چٹانیں، گلاب کے تختے، پھولوں کی سیجیں، آنکھوں کو طراوت پہنچا رہی ہیں۔ درختوں میں رنگ برنگی جھولے پڑے ہیں اور اُن میں گنگا جمنی پٹریاں۔ مرد تو درگاہ میں فاتحہ پڑھنے یا کبڈی وغیرہ میں مصروف ہوگئے۔ بچے چنی منی کا پہاڑوا، جھائیں مائیں، کل کل کانٹے اور کوڑی ذقن کھیل رہے ہیں۔ بچیاں بیر بہوٹیوں کو چن چن کر جمع کر رہی ہیں اور بھولی بھالی باتیں ملکاتی جاتی ہیں۔ لڑکے بالے دوڑ نگے لگاتے پھر رہے ہیں۔ سسرال میں رہنے والی بیٹیوں کو ساون کا جھولا جھولنے، میکے کے عزیزوں سے ملنے اور ساتھ کی سہیلیوں سے کھیلنے کی بڑی تمنا تھی، آج وہ پوری ہو رہی ہے۔ بھلا ان کی خوشی کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ پر آہ! پپیہا بھی تو ”پی کہاں؟ پی کہاں؟“ رٹے جا رہا ہے! کوئل بھی تو کوکے جا رہی ہے! جی میں ہوک سی اُٹھتی ہے، سیاں پھر کیوں نہ یاد آئیں؟

لیجیے اُنہوں نے جھولا سنبھالا اور سارا باغ ساون کے گیتوں سے گونج اُٹھا۔ کچھ جھول رہی ہیں، کچھ جھول رہی ہیں۔ کچھ جھلا رہی ہیں۔ باقی اِدھر اُدھر بھاگتی پھر رہی ہیں۔ جیسے چمن میں تیتریاں ہوں یا جنگل میں ہرنیاں۔ بہو بیٹیوں کا سنگھار اور لباس دیکھ کر آنکھوں کو فردوس کا گماں ہوتا ہے۔ گلناری، ملاگیری، گل شفتالو، اودے اور گیندئی جوڑے، دھانی چوڑیاں، آنکھوں میں سرمہ، ہاتھوں میں پور پور مہندی رچی ہوئی، اُنگلیوں میں چاندی کے چھلے، دانتوں پر مسی کی دھڑی اور لبوں پر لاکھا، گویا ایک رنگین خواب دیکھا جا رہا ہے یا حورانِ فردوست اپنی پوری رعنائی کے

ساتھ فرشِ زمردیں پر جلوہ گر ہیں۔ کروٹ میں ناظر کا باغ ہے، کچھ یہاں پہنچیں۔ ہنڈولا گڑا ہے۔ اس میں ہمجولیاں جھول رہی۔ ان کی آپس میں ٹھٹھولیاں دیکھنے کے لائق ہیں۔ داؤں پڑے تو وہ وہ فقرے کستی ہیں کہ مزہ آجائے۔ نزدیک کے جھولوں میں اونچے اونچے گھرانوں کی دلہنیں، چندے آفتاب، چندے ماہتاب، نک سے سُک حسن میں ڈوبی ہوئی، شرماتی لجاتی، نندوں سے پیر جوڑے جھول رہی ہیں۔ سمدھنوں کو بھی جھلایا جارہا ہے۔ آج بڑھاپے اور جوانی کی کوئی قید نہیں۔ سب جھولنے اور گانے میں لگی ہیں۔ امریوں کی فضا، بھنبیری آواز میں، کچھ ایسے لب و لہجے میں لہک لہک کر گارہی ہیں کہ دل تڑپ تڑپ جاتا ہے۔

دوپہر کو کھانے سے فارغ ہوئے تو چلنے پھرنے کی سوجھی۔ علائی دروازہ، اولیا مسجد، امام ضامن کا مقبرہ، بھیج کی چھتنکی، چالیس قبریں اور بکاؤلی کے قلعے ہوتے ہواتے شمسی تالاب پر آکر دم دلیا۔ پھر یہاں سے اُٹھ کر شمسی باغ کی سیر کرتے ہوئے اندھیری باغ پہنچ گئیں۔ یہ قطب صاحب کا خاص مقام ہے۔ آم اور جامن کے درخت ایسے گنجان اور گھنے ہیں کہ روزِ روشن میں سورج بالکل نہیں دکھائی دیتا۔ پتوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں، آم اور جامنوں سے لدے ہوئے تناور درخت اور لمبے لمبے جھونٹوں والی جھولے دل کو لبھا رہے ہیں۔ پیڑوں کی جڑوں میں چولہے بنا کر کڑاھیاں چڑھا دی گئی ہیں۔ قلمی بڑے، پھلکیاں، پالک، مچھلی کے کباب، سموسے، چھاج، کھجوریں، یہ، وہ، الّم غلّم، غرض دُنیا بھر کا پکوان موجود ہے۔ ایک سے ایک مزیدار سلونی اور میٹھی چیز حاضر ہے۔ کھاؤ اور منگاؤ۔ پیٹ بھر جانے پر نیت نہ بھرے، اس پر مستزاد یہ کہ بازار سے ''اَندَرسے'' کی گولیاں اور دودھ پھینیاں منگوا کر کھائی جارہی ہیں۔ لمبی لمبی پینگوں کے زور سے جامنیں پٹاپٹ گر رہی ہیں۔ کھانے پینے کا یہ زور شور ہے۔ پھر بھائی! بدہضمی کسی کو نہیں ہوتی۔ جہاں پہاڑی کے چشمے یا بادشاہ پسند کنوئیں کا پانی غٹ غٹ پیا اور پیٹ صاحب بولے ''کہو اُستاد! کچھ اور ہے؟'' برسات کے تمام لوازمات پورے ہوگئے، عورتوں کی سیل من گئی اور چاہیے ہی کیا۔

یہ برسات کے پانچ تحفے ہیں بیگم

گھٹا، پھیپیاں، آم، پکوان، جھولا

قطب صاحب کو فی الحال چھوڑ کر آیئے ذرا اور مقامات کی بھی سیر کریں۔ عورتوں کی بدولت دوسرے باغات میں بھی گھما گھمی ہے۔ روشن آرا باغ، گلابی باغ، بیگم کا باغ، لکھی باغ اور محلدار خاں میں بڑی چہل پہل ہے۔ آنے جانے والیوں کا تانتا بندھا ہے۔ جھولے، گیت، پکوان یہاں بھی ہو رہے ہیں۔ مردوں نے فیروز شاہ کے کوٹلے، پرانے قلعے، ہمایوں کے مقبرے، سلطان جی اور حوض خاص میں رنگ جمایا ہے۔ سیلانی جیوڑے ابھی یہاں ابھی وہاں۔ دھنک نکل آئی ہے۔ آسمانِ نیلی فام پر قوس وقزح کے دلفریب رنگ کیسے کھل رہے ہیں! اب ایک نیا منظر دیکھیے۔ جل تھل بھر گئے ہیں۔ جمنا بھرپور چل رہی ہے۔ تیراکی کے میلے ہو رہے ہیں۔ فنِ تیراکی کے وہ وہ جوہر دیکھنے میں آتے ہیں کہ عقل ششدر اور حیران ہے۔ کوئی چت تیرا، کوئی پٹ، کسی نے کھڑی لگائی ہوئی گٹھڑی بنا بہاؤ پر چلا جا رہا ہے۔ کوئی سادھو کی طرح دھونی رمائے آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ کوئی مینڈک کی طرح ملاحی تیرتا چلا آتا ہے۔ سامنے دو طرفہ سودا سلف بیچنے والے اپنے خوانچے لگائے بیٹھے ہیں۔ دکاندار گرم گرم اَندَ رسے کی گولیاں، پوری، کچوریاں اور سہال اُتار رہے ہیں۔ کھاؤ اور فن کاروں کی داد دیتے جاؤ۔ جمنا سے آگے بڑھیے تو اگرسین، نظام الدین اور دوسری باؤلیوں جھرنوں اور تالابوں میں کدائی ہو رہی ہے۔ تماشبین پیسے پھینکتے ہیں اور لڑکے غوطہ لگا کر نکال لاتے ہیں۔

اور ہاں! ایک نظر ادھر بھی تو ڈالیے۔ شہر کے بازاروں اور گلیوں، محلوں اور کوچوں، مکانوں اور منڈیوں میں۔ موریاں اور نالیاں باقاعدہ اور کافی نہ ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ گندگی اور کیچڑ ہے۔ سڑکوں کی گڑھے اور موریاں برساتی پانی سے بھر گئی ہیں جن پر مچھروں کے ٹڈی دل بادل منڈلا رہے ہیں۔ سانپ، بچھو، کھنکھجوروں اور کن سلائیوں نے آفت ڈھا رکھی ہے۔ اور دونوں وقت ملتے تو ناک میں دم آجاتا ہے۔ چراغ جلے اور پروانوں اور بھنگوں نے آگھیرا۔ اب چاہے فانوس ہوں یا جھاڑ ڈبیاں ہوں یا اِکے، ان سے پناہ نہیں۔ سونے لیٹو تو اِدھر اِن کا زور، اُدھر

کھٹمل اور پسوؤں کی یلغار۔ مینڈک اور جھینگروں نے الگ شور مچا رکھا ہے۔

آموں وغیرہ میں سڑاند پیدا ہوگئی، لیکن غریب غربا سستے کے لالچ میں اُن پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ نتیجہ معلوم! یعنی بیماری پھیل گئی ہے۔ موسمی بخار سے، جو فصل کا میوہ ہے، بچے سے لگا بڑے تک لوتھ پڑے ہیں۔ گھر گھر ماندگی ہے۔ آخر کھانے پینے کی بندک بندا ہوئی۔ پر بیماری کا علاج عجیب وغریب ہے۔ کوئی حکیم سے رجوع نہیں کرتا بلکہ آلو بخارے اور کچالو اُڑائے جارہے ہیں جن میں ہلاہل مرچیں اور جانے کیا کیا مسالے پڑے ہوئے ہیں۔ منہ جل رہا ہے، زبان سے سی سی نکل رہی ہے، مگر یہ دلی والے ہیں، مرچوں سے تھوڑی بھاگیں گے! جی بھر کے کھا چکے تو منہ لٹکا دیا۔ ناک، منہ اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔ گھڑی دو گھڑی رال ٹپکائی، بس بھاری سر ہلکا ہوگیا۔ منہ کا مزہ بدلا، بخار دُم دبا کر بھاگا۔ طبیعت صاف رکھنے کے لیے شکنجبین اور تلنگنیاں بھی استعمال ہورہی ہیں۔ پھر بھی اگر موسم کی خرابی یا عدم صفائی کی وجہ سے آب وہوا راس نہ آئی تو امیر امرا کچھ دنوں کے لیے گردونواح میں کسی مقام پر چلے گئے۔

اب پھر قطب صاحب چلتے ہیں۔ رات ہوگئی۔ پٹ بیجنے اپنی چمک دمک دکھا رہے ہیں۔ بعض درخت تو جگنوؤں سے ایسے پٹے پڑے ہیں کہ پتہ پتہ جھلل جھلل کر رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے اپنی بابل لیٹ کی ٹوپیوں اور عورتوں نے اپنی کُرتیوں میں پٹ بیجنے چھوڑ دیے ہیں اور اُن کی جگمگ جگمگ سے محظوظ ہورہی ہیں۔ جن کا دم چھڑا نہیں ہے وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے قیام گاہ پر آگئی ہیں۔ قصے کہانیاں کہی جارہی ہیں۔ کہہ مکرنیاں بیان ہورہی ہیں۔ غرض سوتے سوتے دلچسپی سے بس نہیں۔ درگاہوں اور مقبروں میں، عرس، نیاز، فاتحہ اور قوالی ہورہی ہے۔ بازاروں میں دن کی سی رونق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آج پھول والوں کی سیر ہے۔ دوسرے میلوں کی طرح اس میں بھی ہندو مسلمان دونوں شریک ہیں۔ دونوں کے پنکھے الگ الگ اُٹھتے ہیں۔ رات گئے ہندو پھول والوں نے اپنا پنکھا جوگ مایا کے مندر میں چڑھایا اور مسلمانوں نے درگاہ شریف میں۔ بھیڑ کا یہ عالم کہ تو مجھ پر، میں تجھ پر۔ کھوے سے کھوا چھل رہا ہے، تھالی پھینکو تو جھنکار نہ ہو۔

رات کا پچھلا پہر ہے، ناچ رنگ کی محفلیں جمی ہیں۔ بین اور ستار کے کمال، ڈھولک اور طنبورے کے جوہر دکھائے جا رہے ہیں۔ کسی کونے میں ایک شمع رو رہی ہے۔ اس کی قدموں میں سینکڑوں پروانوں کی لاشیں بے حس و حرکت پڑی ہیں۔ اس کے لمبے لمبے آنسو زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں کہ دُنیا فانی ہے، دُنیا کے جلوے فانی ہیں۔ عیش و طرب کی مجلسیں فانی ہیں۔ کھیل تماشوں کے جھمگٹے فانی ہیں۔ پر کوئی دیدۂ عبرت وا نہیں کرتا۔ سب کو اپنے اپنے مزے کی پڑی ہے۔ آج تو آرام سے گزرے، کل کی کل دیکھی جائے گی۔ المختصر، ہفتے دو ہفتے، مہینے ڈیڑھ مہینے، یہی رنگ رلیاں رہیں۔ بھری برسات میلوں ٹھیلوں میں گزر گئی۔

شہر آبادی کی جو باتیں میں نے آپ کو سنائیں، آج یہ خواب ہوگئی ہیں۔ اب کوئی گھرانہ اس دھوم دھام سے برسات نہیں مناتا۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ سستے سمے تھے اور اخراجات آمدنی کے مقابلے میں بہت کم۔ دھیلا، چھدام، دمڑی اور کوڑیاں تک رائج تھیں۔ اب پیٹ بھرنے کو تو ملتا نہیں، وہ سیر سپاٹے کہاں نصیب؟ آہ وہ دلی اور وہ دلی والے ہی نہیں رہیں تو پھر ان کی ادائیں کیسے رہتیں؟ ہاں اُن کی یادگار اور گزری ہوئی دلچسپیوں کی نشانیاں ابھی باقی ہیں۔ اب بھی برسات میں بڑھیاں، ٹڑھیاں میلے جیکٹ برقعے اوڑھے پٹاری یا کھانے کی پوٹلی ہاتھ میں لیے بچوں کے ساتھ دلی دروازے کے باہر پھرتی نظر آتی ہیں اور دلِ مجروح، اُنہیں دیکھ کر اگلے لوگوں کی زندہ دلی پر دو آنسو بہا لیتا ہے۔

بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اُٹھ رہا ہے گل سے شمع بزم کے اب تک دھواں

......O......O......O......

ماخذ: ماہنامہ ساقی، دہلی، ستمبر ۱۹۳۹ء